قاری صہیب احمد میر محمدی⊙

قراءاتِ متواترہ [سبعة وعشرة]

[فسانہ یا حقیقت؟]

لفظ 'قراءات' کی لغوی بحث

لفظ قراءات جمع ہے قراءۃ کی۔لغت میں قرأ یقرأ سے قراءۃ مصدر سماعی ہے۔چنانچہ کہا جاتا ہے قرأ یقرأ قراءۃ وقرآنا بمعنی تلا یعنی اس نے پڑھا، تلاوت کی۔اسی سے اسم فاعل قاری آتا ہے اور قاری کی جمع قراء، قراۃ اور قاریون آتی ہے۔

لفظ قراءۃ سے قاراۃ بمعنی دراسۃ بھی استعمال ہوتا ہے۔گویا دراست قراءۃ سے خارج نہیں۔اسی طرح تقرا بمعنی تفقہ بھی مستعمل ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قراءۃ کو گہرے فہم سے بھی علاقہ ہے بلکہ دراست تلقی اور تفقہ معانی ومطالب کو قراءت میں شامل کرنے کا فائدہ دے رہی ہے۔اہل لغت نے قراءت کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:"هي عبارة عن لفظ الأحرف مجموعا من مختلف المخارج"

''حروف کے مجموعہ کو قراءت کہتے ہیں خواہ وہ مجموعہ متفق المخارج ہو یا مختلف المخارج۔''

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'المفردات فی غریب القرآن' کے صفحہ ۴۹۲ پر رقم طراز ہیں کہ ترتیل میں بعض کلمات اور بعض حروف کو بعض کے ساتھ ملا دینے اور جمع کردینے کو قراءت کہتے ہیں۔چنانچہ اگر کوئی حرف واحد کا تلفظ کرے تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ قراءت کررہا ہے۔جیسا کہ درجہ ابتدائیہ کے بچوں کا معمول ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں سورۂ قیامہ کی آیت ۱۷،۱۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾

اس آیت کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں کرتے ہیں: إذا جمعناه وأثبتناه فی صدرك فاعمل به (جب ہم نے اس کو جمع کردیا اور آپ کے سینے میں محفوظ کردیا تو آپ اس پر عمل کریں) اس سے بھی قراءت کا لغوی معنی واضح ہوتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ اپنی کتاب قاموس المحیط کی جلد ۱ صفحہ ۲۵ میں یوں صراحت کرتے ہیں کہ قراءۃ الشیء کا معنی ضمه وجمعه ہے یعنی چیز کو جمع کرنے اور ضم کرنے کو قراءت کہتے ہیں۔چنانچہ یہاں سے بھی لغوی معنی واضح ہوگیا۔

علامہ زبیدی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'تاج العروس' کی جلد ۱ ص ۱۰۲ میں قراءت القرآن کی تعبیر لفظت به مجموعا سے کرتے ہیں جس سے لغوی معنی واضح ہوگیا۔

قراءات کی اصطلاحی تعریف

⊙ فاضل مدینہ یونیورسٹی وفاضل كلّية القرآن الكريم، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح علمی میں قراءات کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں:

◉ علامہ زرکشی رحمہ اللہ اپنی کتاب البرھان فی علوم القرآن کی جلد۱ص۳۱۸ پر رقم طراز ہیں کہ:

’’قراءات کہتے ہیں:اختلاف الفاظ الوحی فی الحروف وکیفیته من تخفیف وتشدید وغیرھا یعنی اس علم کو قراءت کا نام دیا گیا ہے کہ جس میں وحی قرآنی کے الفاظ کا اختلاف اور کیفیات کو جانا جاتا ہے۔مثلاً تخفیف کے ساتھ کلمہ کا وارد ہونا یا تشدید کے ساتھ مثلاً ﴿یَکْذِبُون و یُکَذِّبُون﴾‘‘

◉ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ اپنی کتاب منجد المقرئین کے صفحہ۳ پر یوں لکھتے ہیں:

’’القراء ات علم بکیفیة أداء کلمات القرآن واختلافھا بعز والناقلة یعنی قراءات اس علم کا نام ہے کہ جس میں کلماتِ قرآنیہ کے اَدا کی کیفیت اور اس کا اختلاف (جو کہ تغایر اور تنوع کے قبیل سے ہوتا ہے نہ کہ تضاد اور تناقض سے) معلوم کیا جاتا ہے جو کہ متصل بالناقل ہوتا ہے۔‘‘

◉ علامہ دمیاطی رحمہ اللہ اپنی کتاب اتحاف فضلاء البشر کے صفحہ۵ پر یوں لکھتے ہیں:

”علم یعلم منه اتفاق الناقلین لکتاب الله تعالیٰ واختلافھم فی الحذف والتحریك والتسکین والفصل والوصل وغیرہ ذلك من ھیئة النطق والابدال وغیرہ من حیث السماع“

’’علم قراءات وہ علم ہے جس میں کتاب اللہ کے ناقلین کا اتفاق واختلاف جانا جاتا ہے جو کہ حذف،تحریک،اسکان، فصل،وصل کے قبیل سے ہو اور نطق کی کیفیت وابدال وغیرہ بھی جو کہ سماع پر موقوف ہیں۔‘‘

◉ علامہ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ اپنی کتاب البدور الزاھرة کے صفحہ۷ پر لکھتے ہیں:

”ھو علم یعرف به کیفیة النطق بالکلمات القرآنیة وطریق أدائھا اتفاقا واختلافا مع عزوکل وجه لناقله“

’’قراءات کا علم وہ ہے جس میں کلمات قرآنیہ کے نطق کی کیفیت معلوم کی جاتی ہے اور کلمات قرآنیہ کی اتفاقی واختلافی ادا کا طریق کار معلوم کیا جاتا ہے لیکن ہر وجہ کی نسبت اس کے قائل (محمد ﷺ) کی طرف ہوتی ہے۔‘‘

◉ علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے قراءت کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

”تطبیق المنقول او المسموع علی القرآن الکریم تلاوۃ و آداء“

’’منقول یا مسموع (سنے ہوئے) انداز سے آیات قرآنی کی اداء وتلاوت کرنا۔‘‘

◉ ڈاکٹر عبدالھادی الفضلی رحمہ اللہ اپنی کتاب القراء ات القرآنیة کے صفحہ۵۶ پر یوں فرماتے ہیں:

”إن القراء ة ھی النطق بالفاظ القرآن کما نطقھا النبیﷺ...... الخ“

’’یعنی علم قراءات وہ علم ہے جس سے قرآنی الفاظ کی وہ ادائیگی معلوم ہوتی ہے جو کہ آپ ﷺ نے (ادائیگی) کی۔‘‘

تعریفوں سے حاصل ہونے والے فوائد

ان تمام تعریفات کو جمع کیا جائے تو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

① علم قراءات کا تعلق وحی قرآنی سے ہے جیسا کہ اختلاف الفاظ الوحی القرآنی سے معلوم ہوتا ہے گویا علم قراءات، وحی جلی کا علم ہے۔

② علم قراءات نقل اور سماع پر موقوف ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر جو کہ تعز والناقلة ، من حیث السماع ، مع عزوکل وجه لناقله سے ثابت ہو رہا ہے۔گویا قراءات کی صحت کے لیے نقل وسماع ضروری ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن جلد۱، صفحہ ۷۵ پر اور سعید بن منصور رحمہ اللہ اپنی سنن میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"القراء ة سنة متبعة يأخذها الاخر عن الأوّل"

''قراءات سنت متبعہ (سنت متواترہ) ہے جسے بعد میں آنے والے متقدمین سے حاصل کریں گے۔''

اور ابن مجاہد رحمہ اللہ کی کتاب 'كتاب السبعة' کے صفحہ ۵۰۔۵۱ پر ابی بکر بن مجاہد سے ہے:

"القراء ة سنة متبعة فاقروا كما تجدونه"

''قراءات سنت متبعہ (سنت متواترہ) ہے اس کو جس طرح تم پاؤ ویسے ہی تلاوت کرو۔''

یہاں لفظ تجدونہ استعمال ہوا ہے اور وجدان کی تکمیل بغیر نقل اور سماع کے ممکن نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے بعض شیوخ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی یوں روایت کرتے سنا ہے۔

چنانچہ مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ قراءات کا دارومدار نقل وسماع پر ہے، رائے اور اجتہاد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب حرز الامانی ووجه التهانی کے صفحہ ۳۱ پر شعر نمبر ۳۵۴، باب الرآء ات میں فرماتے ہیں۔

وما لقياس في القراء ة مدخل
فدونك ما فيه الرضا متكفلا

''قراءات کے اندر قیاس واجتہاد کا کوئی دخل نہیں لہٰذا تو ائمہ سلف کے معتبر ومنقول کو اس طرح پکڑ لے کہ تو بھی اس نقل کا ذمہ دار (آگے پہنچانے والا) بننے والا ہے۔''

اسی طرح علامہ جزری رحمہ اللہ اپنی کتاب منجد المقرئين کے صفحہ ۴ میں فرماتے ہیں:

"وليحذر القاری الاقراء بما يحسن فی رأيه دون النقل أو وجه إعراب أولغة دون رواية"

''قاری کو اس قراءات کے یا وجہ اعراب کے یا لغت کے پڑھانے سے رک جانا چاہئے جو اس کی رائے میں اچھی ہو لیکن روایت کے بغیر ہو۔''

③ علم قراءات میں تطبیق بھی ضروری ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ علم قراءت کی روایت میں راوی میں اَدا کرنے کی اہلیت ہونا بھی شامل ہے، کہ راوی اپنی بیان کردہ روایت کے مطابق تلاوت کرکے سنائے، چونکہ اس کا تعلق قراءت سے ہے اور جو خود ادا کرنا نہیں جانتا، وہ روایت کیسے کرسکتا ہے؟ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور اس کی روایات کا مدار صرف تحریر پر نہیں، ادا پر بھی ہے۔ کیونکہ زیادہ احتیاط ہر دو کا تقاضا کرتی ہے۔ غرض قراءات کا تعلق وحی قرآنی (جلی) سے ہے اور قراءات وہ صحیح ہوں گی جو نقل وسماع کے اکمل طریقے سے تطبیق و ادا (تلاوت) کے ساتھ ہم تک پہنچی ہوں۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ اپنی کتاب منجد المقرئين کے صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں کہ:

"لابد فی القراء ة مشافهة والمقری العالم بها رواها مشافهة"

''قراءات میں مشافہہ (منہ در منہ بات چیت) ہونا لازمی ہے اور مقری عالم وہی ہوگا جو اس کو بالمشافہہ روایت کرے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لسانیات میں اختلاف لہجات ایک معروف چیز ہے۔اسی طرح عرب کے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کی زبان میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے،لیکن اس اختلاف کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ اس سے زبان کے اندر کوئی بنیادی تغیر رونما ہو جاتا ہو۔مقامی تلفظ، لہجات، محاورات اور زبان کے بعض دوسرے اسالیب کے اختلاف کے باوجود زبان کا بنیادی سانچہ ایک ہی رہتا ہے۔جیسا کہ زبان کے مقامی رنگ اور اختلافات کا مشاہدہ ہم آج کل بھی کر سکتے ہیں۔مثلاً آپ پنجاب کے مختلف حصوں میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ضلع اور بعض اوقات ایک ہی ضلع کے مختلف حصوں کی زبان مختلف ہے۔

یہی حال اُردو زبان کا ہے کہ پشاور سے لے کر مدراس تک آپ چلے جائیں۔اُردو بولنے والوں میں ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف لہجے، مختلف تلفظ اور مختلف محاورے ملتے ہیں، دہلی والوں اور لکھنؤ والوں کی زبان، اسی طرح حیدر آباد (دکن) اور پنجاب والوں کی اُردو ہے،لیکن ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف اَسالیب اختیار کئے جاتے ہیں۔

یہی چیز نزول قرآن کے وقت عرب میں بھی تھی اور آج بھی پائی جاتی ہے۔عرب میں آپ یمن سے لے کر شام تک چلے جائیں، آپ کو لہجے اور تلفظ بدلتے ہوئے ملیں گے۔ایک ہی مضمون کو عرب کے ایک حصے میں کسی اور طرح اَدا کرتے ہیں اور دوسرے حصے میں کسی اور طرح لیکن اس اختلاف کے باوجود معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

چنانچہ مذکورہ حدیث میں سات حروف سے مراد یہی لہجات اور اَسالیب وغیرہ کا اختلاف ہے جن کو آج کل قراءات سے موسوم کیا جاتا ہے۔رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید اگرچہ اولاً قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا،لیکن اہل عرب کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اسے اپنے مقامی لہجات اور تلفظ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ تبدیلی نبی اکرم ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہو۔ کیونکہ ایک عرب کا باشندہ جب قرآن مجید پڑھے گا تو زبان کے مقامی اختلافات کے باوجود اس میں کوئی ایسا ردوبدل نہیں ہوگا، جس سے معنی اور مفہوم تبدیل ہو جائیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حرام حلال ہو جائے یا حلال حرام ہو جائے یا توحید کا مضمون ہو اور وہ مشرکانہ مفہوم میں بدل جائے۔

بعض کرم فرماؤں نے اس حدیث کو ناقابل اعتبار بتایا ہے، سنئے، ان کے الفاظ ہیں:

''مجرد اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے اس مذکورہ حدیث کو اٹھا کر پھینک دیا جاسکتا ہے کہ یہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی روایت ہے کیونکہ ابن شہاب رحمہ اللہ کے متعلق اہل فن کو یہ بات جان لینی چاہئے کہ جس روایت میں یہ ہوں وہ روایت بے حیثیت ہو جائے گی، کیونکہ جتنے بھی فتنے ہمارے ہاں حدیث کے ذریعے آئے ہیں، ان کے سب کے بانی یہی ہیں اس لیے کہ اصل میں یہ شیعوں کی طرف میلان رکھنے والے تھے۔ یہ ایک دنیادار آدمی تھے۔ دنیوی وجاہت کی طلب میں انہوں نے بنو اُمیہ سے بھی تعلق بنائے اور حدیث کے اندر ان کا اِدراج بھی مشہور ہے اور حتیٰ کہ ان کے بارے مرسلاته بمنزله الريح کہا گیا ہے۔''

امام محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ کی ثقاہت

حقیقت اس اعتراض کی یوں ہے کہ:

''اس روایت کا اگر علمی اور فنی تجزیہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخاری و مسلم جیسی معتمد کتابوں میں موجود ہے۔مجرد اسی بات پر تمام اعتراضات کو رد کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر امام نے اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصحیح الجامع میں روایت کیا ہے اور صحیح بخاری کو أصح الکتاب بعد کتاب اللہ اور اس کی روایات کو تمام اُمت کا بالاتفاق صحیح ماننے کا اعزاز حاصل ہے۔

امام ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اور محقق ابن الجزری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت عمر، ہشام بن حکیم بن حزم، عبدالرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، حذیفہ بن الیمان، ابوبکرہ، عمرو بن العاص، زید بن ارقم، انس بن مالک، سمرۃ بن جندب، عمرو بن ابی سلمہ، ابوجہم، ابوطلحہ، اُم ایوب انصاری، سلیمان بن حرد، عثمان بن عفان، رضی اللہ عنہم سمیت ۲۱ صحابہ کی جماعت نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابویعلی موصلی رحمہ اللہ اپنی کتاب مسند کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک روز منبر پر کھڑے ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں ان حضرات کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ: «إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف کلها شاف کاف» سنے ہوں وہ کھڑے ہوجائیں۔ اس پر صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہوگئی جس کی گنتی نہیں ہوسکتی تھی اور سب نے اس پر گواہی دی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں بھی اس پر گواہ ہوں۔''

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن الوجیز فی أصول الفقه للدکتور عبدالکریم زیدان کے اُردو ترجمہ جامع الاصول کے صفحہ ۲۱۱ پر تواتر کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تواتر کی ایک قسم لفظی ہے اور یہ متواتر کی اعلیٰ قسم ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ایسا تواتر پایا ہی نہیں جاتا، لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ایسا تواتر مندرجہ ذیل چھ اَحادیث میں موجود ہے۔

(۱) «إنما الاعمال بالنیات» ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔''

(۲) «البینة علی المدّعی والیمین علی من أنکر» ''دلیل مدعی کے ذمہ ہے اور انکار کرنے والے پر قسم''

(۳) «من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار» ''جو مجھ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمداً جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے''

(۴) «لا نورث ما ترکنا فهو صدقة» ''ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔''

(۵) «إن هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف» ''یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے''

(۶) «إنکم سترون ربکم یوم القیامة کما ترون هذا القمر لیلة البدر» ''تم اپنے رب کو قیامت کے دن یوں دیکھو گے جیسے چودہویں شب میں چاند کو دیکھتے ہو۔''

چنانچہ حدیث «أنزل القرآن علی سبعة أحرف» کو متواتر کہا گیا ہے اور متواتر بھی لفظی ہے۔ الغرض علمی اعتبار سے اس حدیث میں کوئی نقص نہیں صرف تواتر کا ہونا تمام نقائص کی نفی کے لیے کافی ہے اور علماء کی تصریحات بھی اس پر ہیں۔ تواتر کی فنی حیثیت کے بارے میں قارئین کو جان لینا چاہیے کہ:

"والمتواتر لا یبحث رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث"[نخبة الفکر]

''متواتر حدیث کے راویوں کے بارے میں بحث نہیں کی جاتی اور بلاتحقیق و بحث اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔''

جہاں تک اس حدیث کو ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے ذریعے ناقابل اعتبار کہنے کا تعلق ہے تو درحقیقت یہ وہ بنیاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو پورے اسلام کو تشکیک کی نذر کر رہی ہے کیونکہ بخاری و مسلم جن کو تمام اُمت نے قابل اعتماد قرار دیا ہے، کی کافی احادیث انہی ابن شہاب زہری ؒ سے مروی ہیں اور اس کو مان لیا جائے تو ہر مشکل العمل حدیث کو یہ طعن لگا کر شک کی نذر کرنے کی طرف ایک قدم ہوگا۔ واضح رہنا چاہیے کہ اہل سنت کے ہاں تدوین حدیث میں ابن شہاب زہری ؒ کی خدمات انہیں امام کے درجے تک پہنچاتی ہے اور اگر ان کی شخصیت کو نا قابل اعتبار بنا دیا جائے تو تمام ذخیرۂ حدیث میں شک کی دراڑیں پڑ جائیں گی۔

اصل میں امام زہری ؒ پر یہ اعتراض آج کے معترضین کے نہیں بلکہ یہ اعتراض ایک مستشرق یہودی گولڈ زیہر کے ہیں جن کی تردید قبل ازیں ائمہ دین نے بھی کی ہے۔ جیسا کہ السنة ومكانتها فی التشريع الإسلامي کے صفحہ ۲۰۶ پر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مصری نے تصریح کی ہے۔

رہا امام زہری ؒ کا ادراج یا تدلیس کرنا یا ان کی مرسلات کا بمنزلہ ریح کے ہونا جو کہ فی الحقیقت ان کی ذات اور ثقاہت پر طعن اور حملہ ہے تو ان کا جواب ذیل کے اقوال سے خود بخود آ جائے گا۔ امام ابن شہاب الزہری ؒ جن کو 'امیر المومنین فی الحدیث' کا مرتبہ حاصل ہے اور اس کی تصدیق اعتراض کرنے والوں نے بھی کی ہے۔ آپ کا مکمل نام ابو بکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ القرشی الزہری ؒ ہے۔

یہ وہ شخصیت ہے کہ جس نے اللہ کے کلام کو صرف ۸۰ راتوں میں حفظ کر لیا تھا جس کی تصریح امام زہری ؒ کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم ؒ نے کی ہے۔ ان کی ثقاہت کا مسلم ہونا صرف اسی بات ہی سے مانا جا سکتا ہے کہ انہیں تقریباً دس صحابہ حضرت انس، عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، سھل بن سعد، ؓ وغیرہ سے ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے۔ اگرچہ انہوں نے کبار تابعین سعید بن مسیّب، عروۃ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، ابو بکر بن عبدالرحمٰن ؓ وغیرہ کے سامنے بھی زانوائے تلمذ طے کیا ہے۔ چنانچہ عالم اسلام کے تمام علماء کا بھی ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک عظیم ہستی صحابہ سے ملاقات کرنے اور کبار تابعین سے کسب فیض کرنے کے بعد دنیوی مال و جاہت کے لیے اپنے پاس سے حدیث میں التباس کرے یا پھر سامع کو دھوکا دے یا پھر صحابی کے واسطے کو گرا کر بلا واسطہ آپ ﷺ سے روایت کرے؟ یہ صرف بہتان ہے جو کہ ایک امام حدیث کو داغدار کرنے کی سازش ہے۔ گولڈ زیہر جیسے متعصب یہودی نے بھی الزام کی تردید کی ہے کہ آپ دنیادار آدمی تھے۔ السنة ومكانتها فی التشريع الإسلامی کے صفحہ ۲۱۶ پر گولڈ زیہر کے حوالے سے عمرو بن دینار ؒ کی یہ روایت موجود ہے کہ عمرو نے فرمایا:

"ما رأيت دينارا ولا درهم عند أحد أهون منه عند الزهری كأنهما بمنزله البعر"

''امام زہری ؒ کے ہاں درہم و دینار سے کمتر کوئی چیز نہ تھی، حتیٰ کہ وہ اسے بکری کی مینگنی کے برابر وقعت دیتے۔''

یاد رہے کہ یہ اعتراف اور اس روایت پر اعتماد گولڈ زیہر نے کیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے امام زہری ؒ کے بارے میں ائمہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

① حافظ ابن حجر ؒ اپنی کتاب 'تقريب التهذيب' جلد ۲، صفحہ ۲۰۷ پر رقم طراز ہیں:

"الفقيه الحافظ متفق على جلالته وإتقانه"

''یعنی امام زہری ؒ جو کہ فقیہ اور حافظ تھے ان کی جلالت شان اور پختگی علم و عمل پر سب اتفاق ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی دوسری کتاب 'تهذیب التهذیب' جلد ۹،ص ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷ میں بھی یوں لکھتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ "أحد الائمة الاعلام وعالم الحجاز والشام" کہ وہ نامور ائمہ میں سے ہیں اور حجاز اور شام کے مشہور عالم تھے۔

③ ابن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

''كان الزهری ثقة كثير الحديث والعلم والرواية فقيها جامعا''

''یعنی امام زہری رحمہ اللہ ثقہ تھے حدیث، علم اور روایت میں بڑے عالم، فقیہ اور جامع کی حیثیت رکھتے تھے۔''

④ امام نسائی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

''أحسن أسانيد تروى عن رسول الله أربعة''

'' یعنی رسول کریم ﷺ سے مروی اسانید میں سے سب سے بہتر چار سندیں ہیں جن میں سے دو امام زہری رحمہ اللہ کے واسطے سے ہیں۔''

❶ الزهری عن علی بن الحسين عن ابيه عن جده عن النبیﷺ

❷ الزهری عن عبيدالله عن ابن عباس عن النبیﷺ

⑤ امام احمد حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''الزهری أحسن الناس حديثا وأجودهم إسنادا''

''یعنی امام زہری رحمہ اللہ تمام لوگوں سے حدیث میں افضل ہیں اور ان کی سند اجود و اعلیٰ ہے۔''

⑥ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوزرعہ سے سوال کیا گیا کہ صحیح ترین سند کون سی ہے تو انہوں نے جواب دیا:

أربعة: أولها الزهری عن سالم عن أبيه عن النبیﷺ

''یعنی چار سندیں صحیح ترین ہیں، ان میں سے پہلی سند یہ ہے: زهری عن سالم عن ابيه یعنی جس میں امام زہری رحمہ اللہ ہیں۔''

⑦ ابن حبان 'كتاب الثقات' میں فرماتے ہیں:

''محمد بن مسلم بن شهاب الزهری القرشی كنيته أبوبكر، رای عشرة من الصحابة وكان من أحفظ أهل زمانه وحسنهم سياقا لمتون الاخبار وكان فقيها فاضلا روى عنه الناس۔''

''محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہ اللہ جن کی کنیت ابوبکر ہے، انہوں نے دس صحابہ کو دیکھا تھا اور وہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ حافظ تھے اور احادیث کے متون میں سب سے احسن تھے (یعنی احادیث کو نقل کرنے میں) وہ فقیہ اور فاضل تھے۔ بہت سارے لوگوں نے ان سے روایت کیا''

⑧ صالح بن احمد فرماتے ہیں: کہ مجھے اس کے باپ نے بتایا کہ:

الزهری مدنی تابعی ثقة یعنی ''امام زہری رحمہ اللہ مدنی تابعی اور ثقہ تھے۔''

⑨ امام مسلم رحمہ اللہ نے 'صحیح مسلم' کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''فأما من تراه يعمد لمثل الزهری فی جلالته و كثرة اصحابه الحافظ المتقنين لحديثه و حديث غيره...... الخ''

''لیکن اگر آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ زہری رحمہ اللہ ایسے جلیل شخص سے روایت کا قصد کرے جن کے ایسے کثیر شاگرد ہیں جو حافظ اور مضبوطی والے ہیں، اپنی اور دوسروں کی احادیث کی روایت میں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

⑩ امام ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' میں لکھتے ہیں:

"ھو أعلم الحفاظ الامام الحافظ الحجة"

''یعنی وہ تمام حفاظ حدیث سے زیادہ عالم تھے۔امام، حافظ اور حجت تھے۔''

⑪ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سند کے ساتھ احادیث بیان کیں۔ جیسا کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ولید بن مسلم رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اہل شام سے فرمایا کہ:

"یا أھل الشام مالی أری أحادیثکم لیس لھا أزمة ولا خطم"

''یعنی آپ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں، ان کی نوعیت تو یوں ہے کہ نہ ان کی کوئی نکیل ہے، نہ لگام۔تو اس دن اہل شام نے اسانید کو لازم کرلیا۔''

⑫ ابن حاتم نے اپنی کتاب 'الجرح والتعدیل' اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'التاریخ' میں ذکر کیا ہے کہ عمرو بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے درباریوں سے کہا:

''کیا تم ابن شہاب رحمہ اللہ کے پاس جاؤ گے تو انہوں نے جواب دیا: ہاں تو پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا کہ جاؤ کیونکہ ان سے بڑھ کر سنت کا کوئی عالم باقی نہیں رہا۔''

معمر کہتے ہیں: ''حالانکہ حسن بصری رحمہ اللہ اور ان جیسے اور بھی علماء اس وقت حیات تھے۔''

⑬ علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حجاز میں ثقہ لوگوں کا علم زہری رحمہ اللہ اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ پر منحصر ہے۔بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر پر اور کوفہ میں ابواسحاق اور اعمش رحمہما اللہ پر۔

⑭ عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما رأیت انص والبصر بالحدیث من الزھری"

''یعنی میں نے حدیث کی عبارت اور فہم کے بارے میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

⑮ ایوب رحمہ اللہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کہا کہ زہری رحمہ اللہ کے بعد اہل حجاز کا سب سے بڑا عالم یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ ہے تو سفیان کہنے لگے:

"لم یکن فی الناس احد اعلم بالسنة من الزھری"

''یعنی لوگوں میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر سنت کا کوئی عالم ہے ہی نہیں۔''

⑯ مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"ما بقی علی ظھرھا اعلم بسنة ماضیة من الزھری"

''یعنی زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی بھی سنت ماضیہ کا عالم نہیں رہا۔''

⑰ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ما بقی عند أحد من العلم ما بقی عند ابن شھاب"

''یعنی کسی کے پاس وہ علم نہیں رہا جو ابن شہاب رحمہ اللہ کے پاس ہے۔''

⑱ امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'تذکرۃ الحفاظ' میں اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ اپنی کتاب 'التاریخ' میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا:

"ما رأیت عالما قط أجمع من الزھری"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

’’یعنی میں نے زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ جب وہ ترغیب میں روایت کرتے ہیں تو کہتے: لا یحسن إلا هذا بس یہی صحیح ہے اور جب وہ قرآن وسنت کی بات کریں تو ان کی بات جامع ہوتی ہے۔‘‘

⑲ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب رحمہ اللہ مدینہ میں آئے اور ربیعہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں چلے گئے۔ عصر کے وقت جب کمرہ سے باہر نکلے تو وہ فرما رہے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مدینے میں ربیعہ جیسا کوئی عالم نہیں اور ربیعہ کہہ رہے تھے کہ:

ما ظننت أن أحد أبلغ من العلم ما بلغ ابن شهاب‘‘

’’میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص علمی میدان میں ابن شہاب رحمہ اللہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکا۔‘‘

⑳ عمرو بن دینار رحمہ اللہ دیر تک زہری رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھے رہے جب فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: واللہ مثل هذا القرشي ما رايت قط ’’یعنی بخدا میں نے اس قریشی جیسا کہ کوئی نہیں دیکھا۔‘‘

㉑ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ آئے تو وہاں کا کوئی عالم ان کے جانے تک حدیث بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ مدینہ میں ۷۰،۸۰ سالہ عمر رسیدہ مشائخ موجود تھے، لیکن ان شیوخ سے لوگ اس وقت علم حاصل نہیں کرتے تھے، بلکہ امام زہری رحمہ اللہ جو کہ عمر میں ان سے کم تھے ان کے ہاں طلباء کا اژدھام ہوا کرتا۔

㉒ ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ نے ایک دفعہ امام زہری رحمہ اللہ کا امتحان لینا چاہا اور ان سے درخواست کی کہ میرے لڑکے کے لیے علم لکھوا دیں تو امام زہری رحمہ اللہ نے کاتب کو بلایا اور چار سو احادیث لکھوائیں پھر ایک مہینہ کے بعد ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ نے کہا کہ اے ابوبکر! وہ کتاب ضائع ہوگئی ہے تو امام زہری رحمہ اللہ نے کاتب کو بلایا اور پھر وہ چار سو اَحادیث لکھوا دیں پھر ہشام رحمہ اللہ نے اس کتاب کا اور پہلی کا موازنہ کیا تو فما غادر حرفا ایک بھی حرف خلاف نہ پایا۔

㉓ ابوالزناد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف حلال وحرام کے مسائل لکھا کرتے تھے، لیکن ابن شہاب رحمہ اللہ ہر علمی بات کو لکھ لیا کرتے تھے۔ جب ان سے کسی مسئلہ کی ضرورت پڑتی تو معلوم ہوتا کہ وہ اعلم الناس ہیں۔

㉔ ابن عیینہ عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ ما رأيت انص للحديث عن الزهري یعنی زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر حدیث کے متن کے بارے میں، میں نے کسی کو نہیں پایا۔

㉕ ابن مہدی وھیب بن خلاد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سمعت أيوب يقول ما رأيت أحدا أعلم من الزهري یعنی زہری رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔

㉖ عبدالرزاق معمر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ’’مارأيت مثل الزهري في النص الذي هو فيه‘‘ میں نے زہری رحمہ اللہ کی طرح کسی کو نہیں دیکھا جس طرح وہ اپنے فن میں ماہر تھے اور کوئی نہیں تھا۔

㉗ لیث جعفر بن ربیعہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے غراک بن مالک رحمہ اللہ کو کہا کہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ فقیہ کون ہے اور سعید بن مسیّب، عروۃ، عبداللہ بن عبداللہ رحمہم اللہ کا نام ذکر کیا تو غراک رحمہ اللہ کہنے لگا وأعلمهم جميعا ابن شهاب رحمہ اللہ ان تمام سے زیادہ عالم ابن شہاب رحمہ اللہ ہیں۔

㉘ عجلی کہتے ہیں کہ روى عن ابن عمر نحوا من ثلاثة أحاديث یعنی امام زہری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے تین روایتیں کی ہیں۔

(۴۹) امام ذہلی عبدالرزاق رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے معمر سے کہا: ''هل سمع الزهری من ابن عمر قال نعم'' یعنی اے معمر کیا زہری رحمہ اللہ کا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں۔

ان تمام نصوص پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا کہ ایسی شخصیت نہ تدلیس کا جرم کرسکتی ہے اور نہ ہی ادراج کا، اور نہ ہی ان کی مراسیل کی حیثیت ہوا کی ہے بلکہ ان تمام الزامات سے وہ شخصیت مبرا ہے۔ رہا امام زہری رحمہ اللہ کا بنوامیہ کے ساتھ تعلق خاص (جیسا کہ گولڈ زیہر مستشرق یہودی نے بھی کہا ہے) کہ دنیوی وجاہت کی خاطر ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے اموی خاندان کے ساتھ تعلقات قائم کئے تھے۔

حالانکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زہری رحمہ اللہ جیسے صادق، ثقہ، حجت آدمی کا خلفائے بنوامیہ سے تعلق ان سے فائدہ اٹھانے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟ ان پر الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ تعلق قائم کرنے کے بعد انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق احادیث میں امام زہری رحمہ اللہ سے فائدہ اٹھایا یعنی امام زہری رحمہ اللہ خلفائے بنوامیہ کے لیے وضع الحدیث کا کام کرتے اور اس طرح مال و وجاہت کا حصول ممکن بناتے۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی علماء کا خلفاء سے تعلق رہا ہے لیکن اس تعلق کی وجہ سے ان ائمہ کی امانت، صداقت، ثقاہت داغدار نہیں۔ لہٰذا زہری رحمہ اللہ جیسے عظیم عالم کا ان خلفائے سے تعلق کسی طرح سے ان کے دین وامانت و ورع میں اثر انداز نہیں ہوسکا۔ امام زہری رحمہ اللہ سے بہرحال مسلمان مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے الزام کی کوئی بنیاد ہے نہ حقیقت۔

امام زہری رحمہ اللہ خلفائے کی مجلس میں جا کر بھی احادیث روایت کرتے یا کوئی علمی رائے پیش کرتے یا ان پر عائد ہونے والے عوامی فرائض کو ذکر کرتے اور احکام الٰہی اور اس کے فرائض کو بابانگ دہل بیان کرتے۔

چنانچہ 'العقد الفرید' کے صفحہ ۶۰ جلد اوّل پر لکھا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ ولید بن عبدالمالک رحمہ اللہ کے پاس گئے تو ولید رحمہ اللہ کہنے لگا کہ اس حدیث کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو اہل شام نے بیان کی ہے؟ تو امام زہری رحمہ اللہ پوچھنے لگے کہ کون سی حدیث؟ ولید بن عبدالمالک رحمہ اللہ کہنے لگا کہ اہل شام بیان کرتے ہیں کہ جب بندہ کسی رعیت کا ذمہ دار بن جاتا ہے تو اس کی نیکیاں تو لکھی جاتی ہیں، گناہ نہیں لکھے جاتے۔ امام زہری رحمہ اللہ فرمانے لگے: اے امیر المومنین یہ تو جھوٹی روایت ہے آپ بتائیں کیا جو نبی خلیفہ ہو وہ اللہ کے ہاں افضل ہے یا محض خلیفہ؟ تو ولید نے کہا جو نبی خلیفہ ہو وہ افضل ہے تو امام زہری رحمہ اللہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی داؤد کے بارے فرماتے ہیں کہ:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ [ص:۲۶]

اور پھر فرمانے لگے کہ اے امیر المؤمنین یہ نبی خلیفہ کے لیے وعید ہے کہ خواہشات کی پیروی نہ کرنا وگرنہ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے اور جو لوگ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے دن دردناک عذاب ہوگا اور جو صرف خلیفہ ہو نبی نہ ہو، اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ تب ولید کہنے لگا کہ لوگ تو ہمیں غلط اُمیدوں پر لگا کر اپنے دین سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

یہاں دیکھیں، امام زہری رحمہ اللہ کا ولید کے ساتھ تعلق کوئی فائدہ نہیں دے رہا اور نہ ہی امام زہری رحمہ اللہ شاہی گھرانے کے اثر سے عالمانہ موقف پیش کرنے میں جھکے ہیں اور نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیث گھڑنے میں ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رغبت کا ساتھ دیتے ہیں۔ بلکہ ایک اسلام پسند اور خیرخواہ عالم کی طرح اللہ کے دین اور مسلمانوں کی خیرخواہی چاہتے ہیں اور سنت رسول ﷺ سے جھوٹی، موضوع روایتوں کو دور کرتے ہیں اور خلیفہ وقت کو جھوٹے خوشامدیوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو دوسروں کو تو روکے اور خود ادراج یا تدلیس کرے یا پھر دنیوی مال کا طالب ہو حالانکہ خلیفہ کو اس کے منہ پر وعید الٰہی بھی سناتے ہیں۔

مزید شہادت کے لیے ابن عساکر رحمہ اللہ کی اس روایت کی طرف آیئے جو انہوں نے اپنی سند سے امام شافعی رحمہ اللہ تک پہنچائی ہے کہ ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ نے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے ﴿وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ کی تفسیر پوچھی تو سلیمان بن یسار رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے امتحان لینے کے لیے کہا: نہیں بلکہ اس سے مراد تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ چونکہ ہشام رضی اللہ عنہ سنجیدہ نہیں تھا بلکہ وہ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کی صائب رائے پر مضبوطی کا امتحان لے رہا تھا۔ بہرحال سلیمان رحمہ اللہ نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ زیادہ جانتے ہیں۔ اتفاق سے کچھ دیر بعد ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پھر ادھر آ پہنچے تو ہشام رحمہ اللہ نے ان سے بھی آیت کی تفسیر پوچھی تو امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ ہشام رضی اللہ عنہ کہنے لگا: آپ غلط کہتے ہیں، اس سے مراد تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو امام زہری رحمہ اللہ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے أنا أكذب؟ کیا میں جھوٹ بولتا ہوں، لا أبالك تیرا باپ مرجائے اور فرمایا: فوالله لو نادانی مناد من السماء ان الله أحل الكذب ما كذبت یعنی اللہ کی قسم اگر آسمان سے اعلان کرنے والا کوئی اعلان کردے کہ اللہ نے جھوٹ کو حلال کردیا ہے تب بھی میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ کیونکہ ”حدثنی فلان و فلان إن الذی تولی کبرہ منھم ھو عبد الله بن أبی بن سلول“ یعنی فلاں فلاں نے مجھے حدیث بیان کی ہے کہ اس آیت سے مراد عبداللہ بن اُبی بن سلول ہے۔

دیکھیں صدیوں پہلے ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت سے امام زہری رحمہ اللہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے جبکہ خلفاء کے ساتھ رابطے کی بنا پر امام زہری رحمہ اللہ پر طعن بازی کرنے والے مستشرق یہودی اور اس کے ہم نوا وجود میں بھی نہیں آئے تھے۔

کیا اس کو امام زہری رحمہ اللہ کی امانت داری اور دیانتداری کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ بادشاہ وقت کو منہ پر أنا أكذب؟ لا أبالك جیسا سخت کلمہ کہہ رہے ہیں۔ شاہ کے خوشامدیوں سے ایسی توقع قطعاً محال ہے۔

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کا تعلق ایسا نہیں تھا جو کہ ان کے دین میں اور امانتداری میں نقص پیدا کرے بلکہ امام زہری رحمہ اللہ ایک خوددار شخص تھے جو غلط بات سن کر غضبناک ہوجاتے اور رسول ﷺ کے اصحاب کے متعلق تاریخی حقیقت کو مسخ ہوتے دیکھتے تو آگ بگولہ ہوجاتے اور خلاف حقیقت کتاب اللہ کی کسی آیت کی تفسیر سن کر خلیفہ وقت کے سامنے تردید کردیتے۔

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ مستشرق گولڈ زیہر کا الزام یہ بھی ہے کہ اہل مدینہ کے علماء ان کے خلاف تھے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے مدینہ میں نشوونما پائی۔ علماء مدینہ سے ہی علم اخذ کیا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی وفات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک ان کے پاس رہے اور جب بھی امام زہری رحمہ اللہ مدینہ میں آتے تو امام مالک ان سے استفادہ کرتے اور ۳۵ سال کے لمبے عرصے تک امام زہری رحمہ اللہ کی مدینہ اور شام کے درمیان آمدورفت جاری رہی، تو علماء مدینہ نے ان کی تکذیب کیوں نہ کی؟ اگر بنوامیہ کے لیے یہ جھوٹ گھڑ کر دنیوی مقاصد حاصل کرتے تھے تو اہل مدینہ ان کے خلاف کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوئے؟ اور ان کے شیخ ابن مسیّب نے ان سے برات کا اظہار کیوں نہ کیا؟ حالانکہ وہ رجال کی جرح میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح دولت عباسیہ نے ان پر تنقید کیوں نہ کی؟ حالانکہ بنوامیہ کے عباسی بہت خلاف تھے۔ ائمہ جرح وتعدیل (مثلاً احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ) وغیرہ نے ان پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ حالانکہ وہ دین کے بارے کسی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔

کیا ائمہ جرح وتعدیل کی توثیق، علماء مدینہ، ان کے شیخ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی خاموشی اور علماء کا ان سے احادیث کو لینا (دورعباسیہ میں) اور علماء دورعباسیہ کا کلام نہ کرنا اس بات کے ٹھوس دلائل نہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ ان تمام اعتراضات اور شبہات (جو فی الحقیقت انکار حدیث کی پیداوار ہیں) سے بہت بلند اور فائق ہیں اور کذب ووضع و ادراج و تدلیس و تعلق لنیل المال والعز کے الزام سے کہیں اعلیٰ وبلند وبالا ہیں۔

مستشرقین اور ان کے ہم نواؤں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس طرح استخفاف حدیث پیدا کرکے، اس امام کو مجروح کردیا جائے جس نے تدوین حدیث میں بنیادی خدمات انجام دی ہیں۔ جس کے بعد ہر کسی حدیث کو اس طرح کی طعنہ سازی کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل میں رد کردیا جائے اور اس اصل بنیاد کو مشکوک کردیا جائے جو علم حدیث کی پہلی کڑی ہے۔ جیسا کہ امام مالک کا فرمان گزر چکا ہے۔

◉ **اعتراض:** نماز کے اندر روایت حفص کے علاوہ دوسری قراءات کو نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ آپ ﷺ نے ایسا کام کیا اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے یوں مروی ہے۔

جواب: اگر تو اس اعتراض سے قراءات کا مکمل انکار مقصود ہے تو اس کی حقیقت اور ہمارا استدلال واضح ہے اور اگر اس اعتراض کی نوعیت یہ ہے کہ یہ قراءتیں ویسے تو صحیح ہیں، لیکن نماز میں درست نہیں تو بات بنتی ہی نہی، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک قرآن نماز کے علاوہ تو تلاوت پر مستحق ثواب ٹھہرتا ہے لیکن نماز میں اس کی تلاوت درست نہ ہو۔ چنانچہ مذکورہ بالا حدیث (جو متواتر درجے کی ہے) میں قراءات کا یہ واقعہ خارج نماز نہیں بلکہ دوران نماز کا ہے کہ حضرت ہشام نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ملاحظہ کریں: فتصبرت حتی سلم کہ میں نے بمشکل نماز میں صبر کیا حتیٰ کہ اس نے سلام پھیر دیا۔ اس عمل کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوا جس کی آپ نے تردید نہ کی۔ گویا یہ تقریری حدیث ہوئی اور بعد ازاں نبی اکرم ﷺ کا فرمان قولی حدیث کے ضمن میں آگیا۔ غرض صحابہ رضی اللہ عنہم نماز پڑھ سکتے ہیں تو ہمارے لیے بھی آج کوئی مانع نہیں ہے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سنت کی اتباع کرتے تھے تو ہم پر بھی واجب ہے کہ اس سنت کا احیاء کریں۔

◉ **اعتراض:** نماز کے اندر دوسری قراءت پڑھنے سے خشوع وخضوع خراب ہوتا ہے، اس لیے نماز میں دوسری قراءت نہیں کرنا چاہئے؟

جواب: فی الحقیقت یہ پہلے اعتراض کا حصہ ہے۔ غور طلب بات ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خشوع خضوع خراب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہیں ہوتا تھا تو مجرد قراءتوں سے ہمارا خشوع وخضوع کیسے خراب ہوسکتا ہے؟ہاں ہم میں آج کل جو دینی کمزوریاں ہیں، اس کی بنا پر تو خشوع میں فرق آ سکتا ہے لیکن صرف اگر خشوع وخضوع خراب ہونے کو قراءتوں سے مشروط کردیا جائے تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے خشوع کے بارے میں کیا خیال ہے جونمازوں میں دوسری قراءات پڑھتے تھے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں گزرا ہے اور آئندہ بھی مزید احادیث میں آنے والا ہے بلکہ یاد رہنا چاہئے کہ یہ احیائے سنت نبوی ہوگا جس کا ثواب بہت عظیم ہے۔

◉**اعتراض:** نبی اکرم ﷺ کے دور میں تو اعرابیوں کے لیے عذر تھا جس کی بنا پر قراءات کا جواز ہوا، اب وہ عذر باقی نہیں رہا، اس لیے نہیں پڑھنی چاہئیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کی ہرطرح سے تلاوت کی کھلی اجازت ہے یا اس کی تلاوت صرف نبی اکرم ﷺ سے روایت پر منحصر وموقوف ہے، تو واضح رہنا چاہئے کہ یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی تلاوت پر ہی موقوف ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے خود قراءات سکھلائی تھیں ہرطرح سے پڑھنے کی کھلی اجازت نہیں دے دی تھی جیسا کہ ہمیں ''أقرأني رسول الله'' سے معلوم ہوتا ہے اور جو چیز نبی اکرم ﷺ سکھلا دیں یا حکم فرما دیں یا جس پر سکوت فرمایا وہ قیامت تک شریعت کا حصہ بن جاتی ہے۔ إني بعثت إلى الناس كافة کا تقاضا یہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ "عذر الماضين حجة على الباقين"جس کو فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔یعنی متقدمین کا عذر متاخرین کے لیے حجت کا حکم رکھتا ہے چنانچہ اس وقت عذر تھا تو اس وقت وہ عذر ہم پر حجت ہے کیونکہ آسانی ہمیں بھی چاہئے۔

صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۶۱۰، ۶۱۱ میں روایت ہونے والی حدیث سے یہ اصول قرار پایا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> قدم رسول الله ﷺ وأصحابه فقال المشركون أنه يقدم عليكم وقد وهنهم حمى يثرب وأمرهم النبي ﷺ أن يرملوا الاشواط الثلثة وأن يمشوا مابين الركنين ولم يمنعه أن يأمرهم أن يرملوا الا شواط كلها إلا الابقاء عليهم قال ارملوا فيه المشركون قوتهم والمشركون من قبل قعيقعان .

''آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیت اللہ آئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیانی حصہ میں رمل کریں (یعنی پہلوانوں کی طرح سینہ تان کراور کچھ اکڑ کر چلیں کیونکہ قعیقعان پہاڑ کی طرف بیٹھے ہوئے مکہ کے مشرکین کو یہ دکھلانا تھا کہ مسلمان طاقتور ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے: قد وهنهم حمى يثرب کہ مکہ کے بخار نے مسلمانوں کو لاغر کردیا ہے، یہ ہم سے کیسے لڑ سکتے ہیں، لیکن جب انہوں نے صحابہ کو دیکھا تو کہنے لگے کانهم غزلان گویا کہ یہ تو ہرن ہے۔'' (اس روایت کو امام ابوداؤد نے بھی الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے)

اب دیکھیں اس وقت رمل کا عذر مشرکین مکہ کو دکھلانا تھا کہ ہم میں جسمانی طاقت ہے لیکن کیا کوئی ذی عقل مسلمان کہہ سکتا ہے کہ اس وقت عذر تھا اور آج وہاں مشرکین نہیں، اس لیے حج یا عمرہ کرنے جائیں تو رمل نہیں کرنا چاہئے۔ نہیں بلکہ اب یہ ہمارے لیے رکن کی حیثیت رکھتا ہے جب تک رمل نہیں کریں گے، مناسک حج کی تکمیل نہیں ہوگی۔ یہ حج تو صرف اس پر فرض ہے جو اس کی طاقت رکھے لیکن قرآن کا معاملہ تو اس سے بلند تر ہے تو کیوں نہ پہلوں کا عذر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم پر حجت کے طور پر لاگو ہو۔

اعتراض: یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو دوسری قراءت کا علم ہی نہیں تھا جو ہشام بن حکیمؓ پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ ہر وقت آپﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھنے والے تھے۔؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض امور کا دیگر صحابہ کو علم نہیں تھا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔اسی طرح ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو علم تو ہو لیکن ذہن میں حاضر نہ ہو اور جب کوئی یاد دلائے تو یاد آجائے۔ مثال کے طور پر نبی اکرمﷺ کی وفات کا واقعہ، صحیح بخاری جلد نمبر۲ صفحہ ۶۴۰ پر مذکور حدیث کو پڑھیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

إن أبابكر أقبل على فرس من مسكنه بالسنح حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة فتيمم رسول اللهﷺ وهو مغشى بثوب حبرة فكشف عن وجهه ثم أكب عليه فقبله وبكىٰ ثم قال بابى أنت وأمى لايجمع الله عليك موتتين أما الموتة التى كتبت عليك فقد متها .

پھر آگے دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

إن أبابكر خرج و عمر يكلم الناس فقال إجلس يا عمر فابى عمر أن يجلس فاقبل الناس إليه وتركوا عمر فقال أبوبكر أما بعد من كان يعبد محمدا فإن محمدا قد مات ومن كان يعبد الله فإنه حيى لا يموت قال الله تعالىٰ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌﷺ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ... الشَّاكِرِيْنَ﴾ وقال والله لكان الناس لم يعلموا أن الله أنزل هذه الاية حتى تلاها أبوبكر فتلقاها منه الناس كلهم...... الخ .

’’ان دونوں احادیث کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ جب آپﷺ فوت ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ آئے، اور آکر یمنی کپڑا چہرہ مبارک سے اٹھا کر بوسہ دیا اور کہا کہ آپﷺ پر جو موت لکھی تھی وہ آچکی ہے۔ادھر حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ جو یہ کہے کہ محمدﷺ فوت ہوگئے ہیں، میں اس کا سر تن سے جدا کردوں گا تب حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا: ’’جو محمدﷺ کی عبادت کرتا تھا، تو اس کا رب آج دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اس کا رب زندہ اور حی قیوم ہے اور پھر آپؓ نے سورہ آل عمران کی آیت :﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌﷺ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ... الشَّاكِرِيْنَ﴾ (پڑھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم گویا کہ لوگوں کو اس آیت کا پتہ ہی نہیں تھا اور جیسا کہ یہ اب ہی نازل ہوئی ہے پھر لوگوں پر خاموشی چھا گئی اور ہر ایک نے حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیت پڑھی۔‘‘

اب دیکھیں کہ نبیﷺ کی وفات کے موقع پر کتنے صحابہ حافظ قرآن اور قاری تھے کیا کسی نے بھی یہ آیت نبی اکرمﷺ سے نہیں سنی تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرام کو اس کا علم ہوگا اور اس کا مفہوم بھی ان کے ذہن میں ہوگا لیکن اس وقت کسی کو یاد نہیں آئی تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ’’گویا ان کو اس کا پتہ ہی نہیں تھا اور وہ محسوس کررہے تھے کہ یہ آیت ابھی ابھی نازل ہوئی ہے۔‘‘

اسی طرح أنزل القرآن على سبعة أحرف کا حضرت عمرؓ کو علم تو ضرور ہوگا، لیکن اگر انہوں نے کسی صحابی کو دیکھ لیا کہ وہ اس قراءت کے مخالف پڑھ رہا ہے جو نبی اکرمﷺ نے انہیں سکھائی تھی، تو دین میں شدت کی وجہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقتی طور پر اس کو پکڑ کر نبی اکرمﷺ کے پاس لے گئے۔ جب آپﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ بھی نازل شدہ ہے اور یوں بھی نازل ہوا ہے اور أنزل القرآن علی سبعة أحرف کا فرمان دہرایا تو آپؓ کو یاد آ گیا اور خاموش سے سر تسلیم خم کر لیا۔

سبعۂ اَحرف سے کیا مراد ہے؟

مناسب یہ ہے کہ 'علی سبعة أحرف' کی تشریح ہو جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حروف سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ قراءات ہیں یا پھر کوئی اور چیز؟

لغوی طور پر 'حرف' کا لفظ چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

① حافہ ② ناحیہ ③ وجہ ④ طرف ⑤ حد ⑥ کسی چیز کا ٹکڑا

حافظ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ کے مطابق اَحرف کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

❶ **حرف بمعنی وجہ:** یہ لغوی معنی کے مطابق ہے یعنی قرآن سات وجوہ پر نازل ہوا ہے اور ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ ''بعض لوگ اللہ کی عبادت ایک وجہ پر کرتے ہیں'' بھی اسی معنی سے ہے۔ پھر آگے اس کی توضیح فرمائی ہے کہ اگر ان کو خیر (نعمت وراحت، مال، عافیت، دعا کی قبولیت وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں تو ایمان پر جمے رہتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں اور اگر سختی، نقصان اور آزمائش کی حالت پیش آجاتی ہے تو کفر اختیار کر کے (حرف بمعنی) عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔

❷ **حرف بمعنی قراءت:** حرف کا یہ معنی مجازی ہے اور یہ اس بنا پر کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کسی شے کا وہ نام بھی رکھ دیتے ہیں جو اس چیز کا جزو یا قریب یا مناسب یا سبب یا اس سے تعلق رکھنے والی چیز کا نام ہو۔ بس چونکہ مختلف قراءات حروف میں تغیر سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً حرکات کی تبدیلی، ایک حرف کا دوسرے سے اِبدال، تقدیم وتاخیر، اِمالہ، زیادتی و کمی اس لیے عرب کے استعمال پر اعتماد کرتے ہوئے رسالت مآبﷺ نے قراءت کو (گو وہ طویل کلام ہو) حرف فرما دیا۔ گویا یہاں کل کی بجائے جزو کا نام استعمال کیا ہے جس کو اِصطلاح میں مجاز مرسل کہتے ہیں (یعنی حرف کہہ کر وہ کلمہ قرآنیہ مراد لیا گیا) جس میں خاص قراءت پائی جا رہی ہو، یہ ایسے ہی ہے جیسے تحریر رقبة سے مراد صرف گردن آزاد کرنا نہیں بلکہ پورا غلام آزاد کرنا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں سبعة أحرف لفظ کا جو استعمال ہوا ہے، وہ لغوی اعتبار سے وجہ کے معنی میں ہے اور مجازاً قراءت کے معنی میں...... لیکن اگر مذکورہ اَحادیث پر غور کیا جائے تو حرف کی حقیقت واضح تر ہو جاتی ہے۔

حرف سے مراد 'قراءات' ہیں

① حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشامؓ کو سنا "یقرأ علی حروف کثیرة" ...... اس کے بعد جب حضرت ہشامؓ نے نبی اکرمﷺ کے فرمانے پر پڑھنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "فقرأ علیه القراء ة التی سمعته یقرأ" ...... اب دیکھیں پہلے جملے میں فرمایا کہ وہ حروف پڑھ رہے تھے، بعد میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس نے وہ قراءت پڑھی جو میں نے اسے پڑھتے سنا تھا۔ گویا حروف سے مراد انہوں نے قراءت لیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے...... اور ہم قراءت کی تعریف میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ

"عبارة عن لفظ الأحرف مجموعا" ...... ''یعنی حروف کے مجموعہ کو قراءۃ کہتے ہیں۔''

یہی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں استعمال کی ہے۔ پہلے حروف کہا بعدازاں دوسرے جملے میں ان حروف کو قراءت سے تعبیر کر دیا۔

② اسی طرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے "فقرأ قراءة أنكرتها عليه" کہا ہے، حالانکہ نزول تو حروف کا ہوا تھا، چونکہ قراءت حروف سے مرکب ہوتی ہے اس لیے قراءت کہہ دیا اور بعد میں بھی اسی لفظ کو دھرایا ہے۔ "إن هذا قرأ قراءة سوى قراءة صاحبه" ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف تو حروف میں تھا جس کو قراءت کہہ رہے چونکہ حروف کے مجموعہ کو قراءت کہتے ہیں، لہٰذا انہوں نے حروف کو قراءت کہہ دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف کا تعلق قراءت سے ہے، جیسا کہ علامہ دانی رحمہ اللہ نے تعریف میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سات حروف پر نازل ہونے کا سبب کیا تھا؟

سات حروف پر نازل ہونے کا سبب...... اُمت کی سہولت

قرآن مجید کا سات حرف پر نازل ہونے کا سبب اُمت کو آسانی دینا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اعلیٰ ترین کتاب اور اشرف ترین رسول عطا فرما کر سب اُمتوں پر فوقیت دی۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش، اُمت کی ضرورت اور اپنی خصوصی رحمت سے اُمت کے لیے مزید آسانی فرماتے ہوئے قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا۔ چنانچہ اَحادیث میں موجود ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عافیت اور مدد چاہتا ہوں، میری اُمت اس پر عمل نہیں کر سکے گی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار درخواست کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سات حروف کی اِجازت دے دی۔

نیز صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا اور پہلی کتابیں ایک ہی دروازے سے ایک ہی حرف پر نازل ہوتی تھیں اور یہ فرق اس لیے تھا کہ پہلے انبیاء کو صرف ان کی قوم کے لیے بھیجا جاتا تھا اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب و عجم اور سفید و سیاہ یعنی تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور قرآن عرب کی لغت میں نازل ہوا تھا اور عرب کی لغات جدا جدا تھیں۔ زبانیں متفرق تھیں اور ایک لغت والے کو دوسروں کی لغت میں پڑھنا دشوار تھا بلکہ بعض تو پڑھ ہی نہیں سکتے تھے دوسری قوم کے انداز قراءت میں پڑھنا تعلیم و تدبیر سے بھی ممکن نہیں تھا۔ خصوصاً بوڑھوں، عورتوں، اَن پڑھ لوگوں کو اور بھی دشواری تھی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس اگر ہر حالت میں یہ حکم ہوتا کہ ایک ہی حرف پر قرآن مجید پڑھنا ہے تو یہ ان کی طاقت سے باہر ہوتا یا سخت مشقت در پیش آتی اور طبیعتیں قرآن کی تلاوت سے مشکل محسوس کرتیں۔

چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ رحمہ اللہ اپنی کتاب مشکل میں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ''اپنی اُمت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق قرآن پڑھائیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اَصحاب ہذیل 'حتّٰی' کی بجائے 'عتی' بولتے تھے اور بنو اسد ﴿تَعلَمُونَ تعلَمَ تَسوَدُّ وُجُوہٌ، اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیکُمْ﴾ وغیرہ میں علامت مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے تھے جب کہ بنی تمیم ﴿یأْلَمُونَ، شِئْتَ یُومِنُونَ﴾وغیرہ میں ہمزہ پڑھتے تھے، لیکن قریش اس ہمزہ میں ابدال کرتے اور بعض ﴿قِیلَ لَھُمْ﴾ اور ﴿غِیضَ الْمَاءُ﴾ میں اِشمام کرتے تھے۔

اسی طرح ﴿لَا تَاْمَنَّا﴾ میں ادغام اور ضمہ کا اشمام کرتے ......بعض ﴿عَلَیھِمْ ،فِیھِمْ﴾جبکہ بعض ﴿عَلَیھِمُوْ اور مِنھُمُوْ﴾ پڑھتے تھے۔اسی طرح بعض ﴿قَدْ اَفْلَحَ، قُلْ اُوحِیَ اِلَیَّ﴾ میں نقل کرتے جبکہ بعض ﴿ مُوسیٰ، عِیسَی، دُنْیَا﴾ کو امالہ سے، بعض تقلیل، (تھوڑے امالہ) سے پڑھتے تھے۔اسی طرح بعض ﴿خَبِیْراً اور بَصِیْراً﴾ کی راء کو ترقیق کے ساتھ اور بعض ﴿ اَلصَّلَاۃَ اور الطَّلَاق﴾ کی لام کو تفخیم سے پڑھتے تھے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ان حضرات سے ہر گروہ یہ چاہتا کہ وہ اپنی لغت یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی پڑی ہوئی عادت کو چھوڑ دے تو اس میں ان کو بڑی دشواری پیش آتی اور بڑی محنت کرنا پڑتی اور ایسا عرصہ تک مشق کرنے اور زبان کو مسخر کرنے اور عادت کو ترک کرنے کے بعد ممکن ہوتا، پس اللہ تعالی نے جس طرح اُمت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف و کرم و انعام سے قرآن مجید کو پڑھنے میں بھی وسعت کردی تاکہ آسانی ہو جائے اور اُمت سے رحمت کا معاملہ ہو جائے۔

قرآن مجید سات حروف پر کیوں نازل ہوا؟ کم یا زیادہ پر کیوں نہیں؟

اکثر حضرات کہتے ہیں کہ عرب کے اصل اور بڑے بڑے قبیلے سات ہی تھے یا عرب کی فصیح اور باقاعدہ لغات سات ہی تھیں۔اسی لیے قرآن مجید سات حروف پر ہی نازل ہوا کم یا زیادہ پر نہیں، لیکن یہ محض دعویٰ ہے۔اسی طرح بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ سبعہ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں وسعت و سہولت دے کر حق تعالیٰ نے مطلقاً اجازت دی ہے کہ قرآن مجید کو عرب کی لغات میں سے کسی لغت میں پڑھنا چاہو پڑھ سکتے ہو۔لیکن شرط یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھ کر سکھایا ہو۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ سبعة ، سبعین اور سبع مائة بول کر اس سے معین عدد کی بجائے کثرت مراد لیتے ہیں۔جیسے قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔﴿کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ... اِنْ تَسْتَغْفِرْلَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَاللّٰہُ لَھُمْ﴾ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ استعمال موجود ہے:«وَالْجَنَّةُ إلَی سبعمائة ضعف إلی أضعاف کثیرة» اور «الایمان بضع وسبعون شعبة» اسی قبیل سے ہیں، یہ توجیہ بظاہر تو بڑی عمدہ ہے، لیکن درحقیقت یہ بھی درست نہیں ہے۔(جس کی وجہ آگے ذکر ہوگی)

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث پر ۳۰ سال تک غور وفکر کیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا ایک مطلب ظاہر فرمادیا اور وہ یہ کہ میں نے تمام قراءات کو تلاش کیا تو ان کے تغیر کو ذیل کی سات اَنواع سے مزید نہیں پایا۔انہیں میں نے دیکھا کہ سات قسموں میں سے کسی نہ کسی طرح کا تغیر ہوتا ہے۔

1. حرکات میں تغیر ہو جائے، لیکن لفظ کی صورت اور معنی میں کوئی فرق نہ آئے جیسا کہ بالبُخل ، بالبَخل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حرکات اور معنی میں تغیر ہو جائے، لیکن صورت میں نہ ہو جیسے ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ اور ﴿آدَمَ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمَاتٌ﴾

③ حروف اور صورت میں تغیر ہو جائے، لیکن معنی میں نہ ہو۔ جیسا کہ بصطة اور بسطة اور الصراط والسراط میں ہے۔

④ حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے، لیکن صورت میں نہ ہو، جیسے تَبْلُوْا تتلوا اور نُنَجِّيْكَ نُنْجِيْكَ

⑤ حروف و معنی و صورت تینوں ہی میں تغیر ہو جائے، جیسے اَشَدَّ مِنْكُمْ، اَشَدَّ مِنْهُمْ اور يَأْتَلِ، يَتَأَلَّ

⑥ تقدیم و تاخیر کا تغیر فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ اور فَيُقْتَلُوْنَ، وَيَقْتُلُوْنَ

⑦ حروف کی زیادتی و کمی کا تغیر ہو وَاَوْصٰى وَوَصّٰى

آپ مزید کہتے ہیں کہ اُصولی اختلافات جیسے اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد، قصر، اماله، فتحه، تحقيق، تسهيل، ابدال اور نقل وغیرہ میں لفظ و معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ صرف کیفیت ہی میں ہوتی ہے اور اگر مان لیں کہ تبدیلی ہوتی ہے تو پھر یہ ان سات میں سے پہلی قسم میں داخل ہوں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابوالفضل رازی رحمہ اللہ اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے بھی قدرے مختلف عناوین سے یہی تشریح مراد لی ہے یعنی انہوں نے بھی سات حروف سے لفظی تغیر مراد لیا کہ جو بھی حرف ہوگا ان تغیرات سے باہر نہیں ہوگا۔

بعض علماء محققین نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ جب ہم قراءات متواترہ میں تغیرات کا شمار کرتے ہیں تو وہ ان سات صورتوں سے زیادہ ہوتی ہیں اور نہ ہی کم اور وہ صورتیں یہ ہیں:

① **اسماء میں اختلاف:** جو مفرد، تثنیہ، جمع اور مبالغہ کے قبیل سے ہوگا۔

جیسا کہ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ [البقرة:۱۸۴] وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ [البقرة:۲۸۵] فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ [المائدة:۶۷] اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ [الانعام:۱۲۴] وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ [الاعراف:۱۵۷] اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ [التوبة:۱۷] وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ [الرعد:۴۲] اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ [المجادلة:۱۱] یہ تمام الفاظ مِسْكِيْن، كُتُبِهٖ، رِسَالَتَهٗ، إِصْرَهُمْ، مَسَاجِدَ، الكُفَّار، المَجَالِسِ مفرد و جمع پڑھے گئے ہیں۔ ان میں ہر ایک میں دو دو قراءتیں ہیں۔ ایک مفرد کے ساتھ اور دوسری جمع کے ساتھ۔

کبھی اسماء میں تذکیر و تانیث کے اعتبار سے اختلاف ہوتا ہے۔

جیسا کہ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ کو وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ [البقرة:۴۸] كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ کو كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ [النساء:۷۳] وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ کو وَاِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ [الانفال:۶۵] پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح کبھی اسماء میں اختلاف مبالغہ کا ہوتا ہے۔ جیسے عالم الغیب کو علّام الغیب پڑھا گیا ہے۔

② **افعال میں اختلاف:** افعال میں اختلاف تصرف و تغیر کے قبیل سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا [البقرة:۱۵۸] کو وَمَنْ يَطَّوَّعْ خَيْرًا، وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ [البقرة:۱۲۵] کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاتَّخَذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرٰهِیمَ، قٰالَ كَمْ لَبِثْتُمْ كوقُلْ كَمْ لَبِثْتُم [المومنون:۱۱۲]قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [البقرة:۲۵۹] كوقَالَ اعْلَمْ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھا گیا ہے۔

③ **اعراب کے وجوہ میں اختلاف:** جیسا کہ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ کو وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ [البقرة:۱۱۹]، اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً کو اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةٌ [النساء:۲۸۲]، اَللهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو اَللهُ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ[ابراهیم:۲] اور فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ کو فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٌ [البروج:۲۲] پڑھا گیا ہے۔

④ **زیادتی اور نقص کا اختلاف:** جیسا کہ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ کو سَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ [آل عمران:۱۳۳]، وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا کو اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا[التوبة:۱۰۷]، وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ کو وَمَا عَمِلَتْ اَیْدِیْهِمْ [یس:۳۵] وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ کو مَا تَشْتَهِی الْاَنْفُسُ[الزخرف:۷۱] اور فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ کو بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ [الشوریٰ:۳۰] اور فَاِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ کو فَاِنَّ اللهَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ [الحدید:۲۴] پڑھا گیا ہے۔

⑤ **تقدیم وتاخیر کا اختلاف:** جیسا کہ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا کو وَقُتِلُوْا وَقٰتَلُوْا[ال عمران:۱۹۵]،وَنَاٰی بِجَانِبِهٖ کو وَنَآءَ بِجَانِبِهٖ [بنی إسرائیل:۸۳]، اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کو اَفَلَمْ یَاْیَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [الرعد:۳۱] اور خِتٰمُهٗ مِسْكٌ کو خَتٰمُهٗ مِسْكٌ [المطففین:۲۶] پڑھا گیا ہے۔

⑥ **ابدال کا اختلاف:** ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ بدل دینا:

جیسا کہ هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ کو هُوَ الَّذِیْ یَنْشُرُكُمْ[یونس:۲۲]، وَمَا اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ کو وَمَا اَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ[النمل:۸۱،الروم:۵۳]، لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا کو لَنُثْوِیَنَّهُمْ [العنكبوت:۵۸]، یَقُصُّ الْحَقَّ کو یَقْضِ الْحَقَّ [الانعام:۵۷]، كَیْفَ نُنْشِزُهَا کو كَیْفَ نُنْشِرُهَا[البقرة:۲۵۹]، وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا کو لَعْنًا كَثِیْرًا [الاحزاب:۵۸]، هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ کو هُنَالِكَ تَتْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ [یونس:۳۰]، وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ کو بِظَنِیْنٍ [التكویر:۲۴] ، وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا کو فَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا [الشمس:۱۵] پڑھا گیا ہے۔

⑦ **لہجات میں اختلاف:** جیسا کہ فتح، امالہ، اظهار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، تسهیل، تحقیق، ابدال، نقل، تخفیف اور تشدید اس میں وہ کلمات بھی داخل ہیں جن کی ادائیگی میں قبائل نے اختلاف کیا ہے۔

جیسا کہ خُطُوٰتِ کو خُطْوٰتِ،بُیُوت کو بِیُوت،خُفْیَة کو خِفْیَة، یَحْسِبُ کو یَحْسَبُ، بِزَعْمِهِمْ کو بِزُعْمِهِمْ یَعْزُبُ کو یَعْزِبُ، اَلْقِسْطَاس کو اَلْقُسْطَاس، یَلْحَدُوْنَ کو یُلْحِدُوْنَ، بِالْبُخْلِ کو بِالْبَخَلِ، ضُعْفًا کو ضَعْفاً، شَنَاٰنُ کو شَنْاٰنُ، یَقْنَطُ کو یَقْنِطُ، فَلْیُسْحِتَكُمْ کو فَلَیَسْحَتَكُمْ پڑھا گیا ہے۔

اب آیئے ان اقوال کی روشنی میں درج ذیل عبارت کی مدد سے سمجھتے ہیں کہ سات میں کمی وزیادتی کیوں نہیں؟

حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس قرآن کو ایک حرف پر لے کر آئے تو میکائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے آسانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی درخواست کی۔ پھر وہ دو حروف لے کر آئے۔ میکائیل علیہ السلام نے پھر کہا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے۔ سو آپ ﷺ نے پھر آسانی کی درخواست کی، پھر تین حروف لے کر آئے اور اسی طرح ہوتا رہا یہاں تک کہ حروف کی تعداد سات تک پہنچ گئی۔

ابو بکرہ کی حدیث میں ہے کہ اس کے بعد میں نے میکائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ خاموش ہو گئے میں نے اس سے سمجھا کہ اب شمار ختم ہو چکا ہے (اس پر زیادتی نہیں ہوگی) پس یہ دلیل ہے کہ معین عدد سات ہے۔

اصل میں اس حدیث سے جو ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور دیگر احادیث جن کا مضمون بھی یہی ہے، سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد آپ کا درخواست نہ کرنا اور دل کا مطمئن ہو جانا اس بات پر دال ہے کہ سات کے عدد کو کافی سمجھ لیا۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا اطمینان قلب بھی قدرتی حکمت کے تابع ہے گویا اللہ کی مرضی و منشا بھی یہ تھی کہ سات حروف میں قرآن مجید کو نازل کریں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دل کو اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے مزید سوال نہیں کیا تھا۔ دراصل معلوم یہ ہوتا ہے کہ جتنے بھی الٰہی عظیم افعال ہیں، ان میں خدا نے سات کی رعایت رکھی ہے۔ دیکھیں آسمان بنائے تو سات، زمینیں بنائی تو سات اور ان دونوں کی تکمیل کے بعد ساتویں دن ہی عرش پر مستوی ہوئے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ سات سال کا بچہ ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو، اس لیے کہ یہ وہ مدت ہے کہ جب اس کو بہر صورت اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنا چاہئے۔ گویا جتنے بھی بڑے کام، انجام کے اعتبار سے ہوں یا بنفسہٖ معظم ہوں، اس میں سات کے عدد کی رعایت کی ہے۔ اس طرح برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو سات بار دھونے کا حکم ہے۔ گویا صفائی یہ بھی اللہ کو چونکہ نہایت پسند ہے، اس میں بھی سات کو پسند فرمایا۔ قرآن مجید کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اسے کل کائنات کے لیے نمونہ اور کتاب ہدایت بننا تھا تو اس کو بھی سات حروف پر نازل کیا۔ کمی و زیادتی نہیں کی، لیکن اب اگر کوئی قرآن کو ایک حرف پر محصور کر دے تو گویا اس نے اللہ کے حکم اور حکمت کی مخالفت کی جس کا حساب اسے روز حشر اللہ تعالیٰ کے سامنے دینا ہوگا۔

قراءات کے اختلاف کی حقیقت اور اس کے علمی فوائد

قراءت کا بظاہر اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے تضاد و تناقض کے قبیل سے نہیں یعنی قراءت سے طرح طرح کے معانی سامنے آتے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود باہم متضاد اور مخالف نہیں ہوتے، کیونکہ کتاب اللہ میں تضاد محال ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ [النساء:۸۲]

’’اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں اختلاف کثیر ہوتا چنانچہ ناممکن ہے کہ ایک قراءت میں امر ہو اور دوسری میں نہی ہو یا کسی طرح تعارض ہو۔‘‘

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام قراءتوں کے اختلاف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصداق کے اعتبار سے اختلاف کی تین قسمیں ہیں:

اوّل: یہ کہ لفظ میں تبدیلی ہو جائے، لیکن معنی دونوں قراءتوں میں ایک ہی رہے جیسے الصراط ، السراط ...... عَلَیْهِمْ ، عَلَیْهُمْ ...... القدْس ، القدُس ...... یحسِب یحسَب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوم: لفظ اور معنی میں تبدیلی تو ہو جائے، لیکن دونوں کا مصداق ایک ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پر صادق آتے ہوں جیسے سورۃ فاتحہ میں مٰلِكِ اور مَلِكِ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہی ہیں، اس لیے کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی، کیونکہ اس دن سب مجازی سلطنتیں بھی ختم ہو جائیں گی...... بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اور يُكَذِّبُوْنَ (بقرہ) اس میں دونوں قراءتوں پر فعل کی ضمیر منافقین کے لیے ہے۔ پہلی قراءت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے "یہ منافقین اپنے آپ کو مومن بتلانے میں جھوٹ بولتے ہیں" جبکہ دوسری قراءت کے یہ ہوں گے کہ "یہ منافقین نبی کریم ﷺ کو جھوٹا بتاتے ہیں"...... كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور نُنْشِرُهَا (بقرہ) اس میں بھی دونوں قراءتوں میں مفعول کی ضمیر عظم (ہڈیوں) کے لیے ہے جو مونث لفظی ہے چنانچہ پہلی قراءت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کس طرح ایک دوسرے پر چڑھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ سب جڑ کر ایک ہو جاتی ہیں جبکہ دوسری قراءت کا معنی یہ ہوگا کہ دیکھو ہم ان ہڈیوں میں جان ڈال کر ان کو کس طرح زندہ کر دیتے ہیں۔ پس قراءتوں کے ذریعے دونوں معانی ادا ہو گئے۔

سوم: لفظ و معنی دونوں میں تبدیلی آ جائے اور دونوں کا مصداق بھی جدا جدا ہو، لیکن کوئی ایسی توجیہ کرنا ممکن ہو جو دونوں کو متحد کر دے اور تضاد پیدا نہ ہونے پائے۔

① مثالیں: وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا اور كُذِّبُوْا میں ذال کی تخفیف والی قراءت پر ظن، وہم کے معنی میں ہے اور جمع کی تینوں ضمیریں کفار کے لیے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ کفار کو یہ وہم ہو گیا کہ رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان میں ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ تشدید کی صورت میں ظن یقین کے معنی میں ہے اور تینوں ضمیریں رسولوں کے لیے ہیں یعنی رسولوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کی قوم نے انہیں پوری طرح جھٹلا دیا ہے۔ ضد اور مخالفت کے سبب اب ان کے ایمان لانے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔

② وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اور لَتَزُوْلُ مِنْهُ الْجِبَالُ: پہلی قراءت میں ان نافیہ ہے جو لام نفی کی تاکید کے لیے ہے جب کہ مضارع اَن مقدرہ کی بنا پر منصوب ہے اور الجبال سے مجاز کے طور پر نبی کریم ﷺ کی نبوت، دین اسلام اور قرآن مجید مراد ہے یعنی کفار کی تدبیریں تو فی نفسہا بڑی بڑی اور مضبوط تھیں لیکن اس کے باوجود بھی ان کی تدبیر ایسی نہ تھی جن سے پہاڑ (نبوت، قرآن، دین حق) اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور دین الٰہی مٹ جاتا بلکہ ان کی مخالفت کے باوجود بھی دین حق غالب ہی رہا اور ان کی تدبیریں نیست و نابود ہو گئیں اور دوسری قراءت پر اَن مخففہ من المثقلہ ہے اور لتزول کے پہلے لام پر فتحہ ہے اور یہ لام ابتدائیہ ہے جبکہ دوسرے لام کا رفع ہے اور الجبال حقیقی معنی میں ہے پس اس سے یہی ظاہری پہاڑ مراد ہیں یعنی یہ بات یقینی ہے کہ کفار کی تدبیریں اس قدر مضبوط اور سنگین تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے مٹ جاتے، لیکن اس کے باوجود وہ دین الٰہی کو مغلوب نہ کر سکے جو دین اور نبی کریم ﷺ کی صداقت پر واضح ترین دلیل ہے۔

③ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ اور عَلِمْتُ (الاسراء) تاء مفتوحہ کی صورت میں عَلِمْتَ کا فاعل اور مخاطب فرعون ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ اے فرعون تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات و معجزات حق تعالیٰ نے نازل کئے ہیں۔ پس علم کے باوجود تیرا انکار ضد اور عناد کی بنا پر ہے، شک و شبہ کے طور پر نہیں اور تاء مضمومہ والی قراءت میں فاعل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اس میں فرعون کے قول ﴿إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِيٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ﴾ کا جواب ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مجنون کہا تھا۔ پس قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ میں فرمایا کہ مجھے اس بات کا پورا علم ہے کہ یہ اَحکام و آیات آسمان و زمین کے رب کے نازل کیے ہوئے ہیں اور کیا مجنون عالم ہوسکتا ہے پس عالم کو مجنون کہنے والا خود مرض جنون میں گرفتار ہے۔

ان مثالوں پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ضدیت اور منافات کسی بھی قراءت میں نہیں۔ اگر ہمیں کسی قراءت کی ضدیت کا شبہ ہو تو وہ ہماری ہی کم فہمی اور کم علمی وکم عقلی کا نتیجہ ہے جس سے کلام الٰہی بالکل بری اور پاک ہے۔ ہر قراءت میں متفقہ مراد کی توجیہ ممکن ہے۔ جو قراءت بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہوجائے اس کا ماننا واجب ہے اور اس کو قبول کرنا لازم ہے اور اُمت میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو رد کرے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس امر پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر قراءت حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے، کیونکہ ہر قراءت کا تعلق دوسری قراءت کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہے۔ پس ہر آیت اور قراءت جس معنی پر مشتمل ہے اعتقاداً بھی اس کی پیروی کرنا ضروری ہے اور عملاً بھی اور یہ بھی جائز نہیں کہ دو قراءتوں میں تعارض ومخالفت کا گمان کرکے ایک پر تو عمل کرلیا جائے اور دوسری کے حکم کو نظر انداز کردینے کا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا تختلفوا في القرآن ولا تنازعوا فإنه لايختلف ولا يتساقط...... الخ

''قرآن مجید میں جھگڑا نہ کرو، کیونکہ نہ تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ کوئی حصہ اس کا حذف ہوسکتا ہے۔''

چنانچہ فقہاء اور قراء کے اختلاف میں نمایاں فرق یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور قراء کا اختلاف روایتی ہوتا ہے۔ اس لیے فقہ کی اِختلافی وجوہ میں فی الواقعہ ایک ہی صحیح، حق اور راست ہے اور ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے، لیکن خطا کا احتمال رکھتا ہے جبکہ قراءت متواترہ کی اختلافی وجوہ میں سے واقع میں ہر ایک صحیح حق اور منزل من اللہ ہے اور کلام الٰہی ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جس صحابی یا تابعی کی طرف اس کی نسبت ہے اس نے اس کو اسی طرح پڑھا اور اپنا معمول بنا رکھا تھا اور وہ اس کے لیے اضبط واقرا تھا یعنی اس کو سب سے زیادہ محفوظ رکھتا اور نہایت عمدگی سے پڑھتا تھا اور قراءت کے اماموں اور راویوں کی طرف قراءات اور روایات کی جو نسبت ہوتی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ قاری یا راوی نے معتبر حضرات سے پڑھ کر ان وجوہ کو اختیار کرکے اپنے لیے لازم کرلیا تھا اور ہمیشہ انہیں وجوہ کو پڑھتا اور پڑھاتا تھا اور لوگوں نے اس سے اسی کو روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ قراءات کی کسی قاری یا صحابی کی طرف نسبت ترتیب، اختیار ولزوم اور ہمیشگی کی وجہ سے ہے اس لیے نہیں کہ انہوں نے ان وجوہ کو اپنے اجتہاد اور رائے سے خود بنا لیا تھا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مختلف وجوہ پڑھنے والوں میں سے ہر ایک کو أحسنت، أصبت اور هكذا أنزلت فرما کر درست بتایا تھا۔ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر سورہ نحل پڑھی برخلاف اس کے جیسا کہ میں پڑھتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی ہے تو کہنے لگا نبی کریم ﷺ نے...... پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی سورہ نحل پڑھی اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی میں نے جب اس سے پوچھا تو اس نے بھی وہی جواب دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے میرے دل میں شک پیدا ہو گیا اور میں ان دونوں کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا آپ ﷺ نے ایک سے سن کر فرمایا: 'أحسنت' تو نے اچھی پڑھی اور دوسرے سے سن کر فرمایا: 'أصبت' یعنی تو درستی کو پہنچا۔ پھر مجھ سے سن کر فرمایا: 'ھکذا أنزلت' یعنی یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے اور پھر میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا: أعیذك باللہ یا أبی من الشك ''اے اُبی رضی اللہ عنہ! میں تمہیں شک وشبہ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''ان میں سے جو وجہ بھی پڑھو وہ ہی درست ہے شک نہ کرو، کیونکہ ان میں شک کرنا کفر ہے۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''جو شخص ایک حرف پڑھے، وہ اس کو ترک کر کے دوسرے کی طرف نہ جائے یعنی کسی وجہ کا انکار نہ کرے۔

ھدیہ تبریک

ہم مجلّہ ماہنامہ 'رشد' کے حالیہ مدیر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ کو علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی تکمیل پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین حنیف کی مزید توفیق عطاء فرمائے۔

منجانب: اساتذہ جامعہ، اراکین مجلس التحقیق الاسلامی و انتظامیہ ماہنامہ 'رشد' لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ